يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط (5:67)

اے رسُولؐ! اِس ضابطۂ حیات کو جو تُمہارے ربّ کی طرف سے تُم پر نازل کیا گیا ہے
تمام اِنسانوں تک پہنچا دو۔

بتقریب یومِ پاکستان 1983ء بسلسلہ قراردادِ پاکستان 23 مارچ 1940ء

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو
کٹ جاتی ہیں زنجیریں!

(عزمِ بلند کا پیکرِ آہنی۔۔۔قائداعظمؒ)

غلام احمد پرویز

ادارہ طلوعِ اسلام
25-B، گلبرگ 2، لاہور فون: 042-35714546
Email: idara@toluislam.com
Web: www.toluislam.com

قرآنی حقائق کو سمجھنے کے لئے

ماھنامہ

خود پڑھیئے،
دُوسروں کو پڑھنے کے لیے پیش کیجئے

یہ

ایک ماہنامہ ہی نہیں بلکہ ایک زندہ اور زندگی بخش تحریک ہے جس کا مقصد قرآنی فِکر کو اس طرح عام کرنا ہے کہ وہ نوجوانوں کے دِل کی گہرائیوں میں اُتر جائے اور وہاں سے

صحیح آسمانی انقلاب بن کر اُبھرے!

ادارہ طلوع اسلام کی مطبوعات کی کل آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف ہوتی ہے

سالانہ زرِ شرکت اندرون ملک -/450 روپے۔ بیرون ملک -/2500 روپے

رقم بذریعہ منی آرڈر۔ بینک ڈرافٹ

بنام ادارہ طلوع اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور ارسال فرمائیں۔

بینک اکاؤنٹ نمبر 7-3082 برانچ کوڈ 0465

نیشنل بنک آف پاکستان۔ مین مارکیٹ گلبرگ، لاہور۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غلام احمد پرویزؔ

بتقریب یومِ پاکستان 1983ء بسلسلہ قراردادِ پاکستان 23 مارچ 1940ء

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں!

(عزمِ بلند کا پیکرِ آہنی۔۔۔قائداعظمؒ)

عزیزانِ گرامی قدر! سلام ورحمت۔

آج ہم جس تقریب کے سلسلے میں شریک درس ہوئے ہیں' اسے عام طور پر ''یومِ پاکستان'' کہا جاتا ہے۔ اس دن (یعنی 23 مارچ 1940ء کو) قوم نے اسی لاہور میں' اس مقام پر جہاں اب ''مینارِ پاکستان سر بفلک ایستادہ ہے'' ایک۔۔۔۔ ریزولیوشن پاس کیا تھا۔ ریزولیوشن کا اصطلاحی ترجمہ تو ''قرارداد'' کیا جاتا ہے لیکن اس کا صحیح مفہوم عزمِ راسخ ہے۔ اس اعتبار سے اس دن قوم نے اپنے ایک عزم کا اظہار کیا تھا اور وہ عزم یہ تھا کہ ہم ایک ایسا خطہ زمین حاصل کریں گے جس میں قرآن کریم کی حدود و قیود کے مطابق اسلامی مملکت قائم ہوگی۔ کسی مقصد کے حصول کے لئے شرطِ اولیں عزم ہوتا ہے۔ جس قدر عظیم اور بلند وہ مقصد ہوگا اسی قدر محکم اور صمیم وہ عزم ہو گا۔ یوم پاکستان کو جس مقصد کے حصول کے لئے اظہار عزم کیا گیا تھا' مسلمان کی زندگی میں اس سے زیادہ بلند کوئی مقصد ہو نہیں سکتا۔ یعنی منشائے ایزدی کے مطابق ایک مملکت یا نظام کا قیام۔

عزم یا ارادے کی بنیاد اپنے مقصدِ پیشِ نظر کی صداقت پر یقینِ محکم ہوتی ہے۔ جس قدر

یقین پختہ اور محکم ہوگا' اسی قدر اس کے حصول کے لئے عزم' راسخ اور استوار ہوگا۔ قرآن کریم نے مردانِ مومن کے مقاصدِ حیات میں عزم کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ حضراتِ انبیاء کرامؑ کو ان کے مشن میں جو کامیابی ہوئی تو اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ اولوالعزم تھے۔ اسی کی تلقین حضور نبی اکرم ﷺ کو کی گئی جب کہا کہ: **فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ** (46:35)۔ کش مکشِ حق و باطل میں پیش آمدہ مشکلات کے مقابلہ کے لئے اس طرح ثابت قدم رہو جس طرح انبیاء سابقہ ثابت قدم رہے تھے کیونکہ وہ صاحبانِ عزم تھے۔ ان کے ارادے بڑے پختہ تھے۔ دوسری طرف کہا کہ ''آدم'' سے جنت اس لئے چھن گئی کہ: **لَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا** (20:115)۔ اس کا عزم راسخ نہیں تھا۔

قوموں کی زندگی کا راز بھی اس یقینِ محکم میں ہے جس کا لازمی نتیجہ عزمِ صمیم ہوتا ہے۔ جس قوم کے یقین میں تزلزل واقعہ ہو جائے اس کا عزم بھی محکم نہیں رہتا اور جب عزم محکم نہ رہے تو پھر کسی مقصد میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

یقیں مثلِ خلیلؑ آتش نشینی　　یقیں اللہ مستی' خود گزینی
سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار　　غلامی سے بتر ہے بے یقینی

وہ امت کی زبوں حالی کا ماتم کرتے ہوئے کہتے تھے کہ

نگہبانِ حرم معمارِ دَیر است　　یقینش مردہ و چشمش بغیر است
تو اندازِ نگاہِ او تواں دید　　کہ نومید از ہمہ اسبابِ خیر است

وہ مسلمان سے کہتے تھے کہ

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے　　یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

یقین کا دوسرا نام ایمان ہے اور یہی وہ نورانی شمع ہے جس سے انسانی زندگی کے تمام راستے روشن

ہوتے چلے جاتے ہیں۔

گماں آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی!

اُمتِ مسلمہ کو جو کچھ حاصل ہوا تھا اسی یقینِ کامل اور ایمانِ محکم کا تصدق تھا۔

ولایت، پادشاہی، علمِ اشیا کی جہانگیری یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

اس سے قوم کو جو قوت حاصل ہوتی ہے، اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اللہ تعالیٰ نے جماعتِ مومنین کو جو پروگرام دینا تھا اسے اپنی کتاب کے اوراق میں مکمل اور محفوظ کرنے کے بعد، آخری دو سورتوں میں اسے متنبہ کیا کہ اسے کون کون سے خطرات کی طرف سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سرفہرست تھا۔ **شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ** (113:4)۔ ان جماعتوں کی طرف سے پیدا کردہ شر جو دلوں میں وسوسے پیدا کر کے تمہارے عزمِ راسخ کو متزلزل کرنے کی کوشش کریں۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قوموں کی زندگی میں عزم راسخ کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ یہی عزم راسخ تھا جس کا اظہار ہماری قوم نے یومِ پاکستان کو کیا تھا لیکن قوم کا یہ عزم درحقیقت آئینہ تھا اس کے قائد کے اس عزم بلند کا جس کا مظاہرہ اس نے اس جہدِ مسلسل میں قدم قدم پر کیا۔ جس کے بل بوتے پر اس نے انگریز، ہندو اور خود پاکستان کے مخالف مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی اور چاروں طرف سے مشکلات کے ہجوم اور تصادمات کے انبوہ میں گھرنے کے باوجود وہ کامیابی حاصل کی جس کی مثال تاریخ عالم میں کم ملے گی۔ میں آج کی نشست میں قائداعظمؒ کے اس عزمِ بلند کی کچھ مثالیں پیش کروں گا۔

☆.....☆.....☆

جناح کی وطن واپسی

جیسا کہ معلوم ہے' قائداعظمؒ (یا یوں کہئے کہ مسٹر جناحؒ) نے اپنی زندگی کا (پہلا) حصہ نیشنلزم کے مسلک کی تائید اور ترویج کی جدوجہد میں بسر کیا۔ نیشنلزم سے مراد تھی۔ ہندوستان میں بسنے والے تمام باشندوں پر مشتمل (بلا لحاظ مذہب وملت) متحدہ قومیت کی تشکیل۔ اس مقصد کے حصول کے لئے' سالہا سال کی کدوکاوش میں ناکامی کے بعد وہ سیاست سے اس قدر بددل ہو گئے کہ انہوں نے وطن کو خیرباد کہہ دیا اور انگلستان جا کر مقیم ہو گئے۔ یہ 1930ء کی بات ہے۔ ان کا ارادہ مستقل طور پر وہیں سکونت پذیر ہو جانے کا تھا۔ چنانچہ انہوں نے وہاں اپنے لئے ایک مکان بھی خرید لیا تھا۔ اسے حسنِ اتفاق کہئے یا قوم کی خوش بختی کہ علامہ اقبالؒ 1932ء میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے سلسلہ میں لندن تشریف لے گئے تو مسٹر جناحؒ کے ساتھ ان کے روابط قائم ہوئے اور انہیں ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ علامہ اقبالؒ کی نگہِ جوہر شناس اور دوررس نے جلد بھانپ لیا کہ ہندی مسلمانوں کی کشتی جس سیاسی بھنور میں پھنسی ہوئی ہے' اسے وہاں سے جناحؒ کے پتوار ہی نکال سکتے ہیں لیکن (اس وقت) ان دونوں کے مقاصد اور مسالک میں جو اختلاف ہی نہیں' جو تضاد اور تصادم تھا وہ واضح تھا لیکن اقبالؒ کی بلند نگہی اور جناحؒ کی کشادہ قلبی نے ایسا انقلابی اثر پیدا کیا کہ جناحؒ' اقبالؒ کا ہمرنگ وہم نوا ہو کر 1934ء کے اواخر (یا 1935ء کے اوائل) میں وطن واپس آ گیا اور یہاں سے ان کی نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ اس میں قدمِ اول' مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کا اثبات تھا۔

1937ء کے الیکشن

اس وقت ہندوستان کے مسلمان اس قدر مختلف ٹکڑوں میں بٹے ہوئے تھے کہ ان کی الگ' مستقل قومیت کا تعین تو ایک طرف' انہیں کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا بھی ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

لیکن جب قائداعظمؒ نے اس کا عزم کرلیا تو پھر ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوسکتی تھی۔اس کے لئے انہوں نے اپنی جدوجہد کا آغاز کردیا اور اس کے عملی مظاہرہ کا موقعہ بہت جلد آ گیا۔1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت' جداگانہ انتخابات کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ ہندی مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعیہ میں بڑا اہم اور نازک مقام تھا۔اسے ان کی جداگانہ قومیت کا معیار قرار پانا تھا۔اس کے لئے قائداعظمؒ نے سنٹرل پارلیمانی الیکشن بورڈ کی تشکیل کی۔اس بورڈ میں مسلمانوں کی جس قدر مختلف الخیال جماعتوں کے نمائندگان شریک تھے' تاریخ کا طالب علم یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ قائداعظمؒ نے اس قدر مختصر سی مدت میں ان متضاد عناصر کو یکجا کس طرح کرلیا تھا؟ (مولانا) ظفرعلی خان کی اتحادِ ملت پارٹی کے بالمقابل مجلسِ احرار' جن میں آگ اور پانی کا بَیر تھا۔دوسری طرف مسلم لیگ کے بالمقابل جمیعت العلماء ہند کے سربرآوردہ نمائندگان مثل مولانا حسین احمد مدنی' مفتی کفایت اللہ' مولانا احمد سعید۔اس وقت حالات کس قدر نامساعد تھے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیے کہ مسئلہ یہ درپیش تھا کہ 8 جون 1936ء کو ہونے والے ''مسلم لیگ کونسل اور پارلیمانی بورڈ کے'' اجلاس کس جگہ منعقد ہوں۔اسلامیہ کالج کا حبیبیہ ہال اس کے لئے موزوں خیال کیا گیا۔اسلامیہ کالج اس انجمن حمایت اسلام کا تعلیمی ادارہ تھا جس کے استحکام اور فروغ میں علامہ اقبالؒ کے خونِ جگر کا معتدبہ حصہ تھا۔علامہؒ نے اس کی اجازت کے لئے' انجمن کے اس زمانہ کے صدر نواب مظفرخان کے پاس اپنا آدمی بھیجا' اور (تاریخ اس سانحہ کو کبھی فراموش نہیں کرسکے گی کہ) انہوں نے اجازت دینے سے انکار کردیا اور یہ اجلاس مجبوراً برکت علی محمڈن ہال میں منعقد ہوئے۔

(اقبال کے آخری دوسال (عاشق حسین بٹالوی' ص 304) لیکن مسٹر جمیل الدین احمد نے کہا ہے کہ یہ اجلاس پہلے میاں عبدالعزیز کے مکان پر اور پھر نیڈو ہوٹل میں منعقد ہوئے تھے۔Middle Phase of Muslim (Political Movement.-P.160

پارلیمانی الیکشن بورڈ

قائداعظمؒ کے عزم کو متزلزل کرنے کے لئے یہی دھچکا کچھ کم نہ تھا کہ اس کے بعد دھماکے پر دھماکے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سب سے پہلے مولانا ظفر علی خان اور ان کے ساتھی، پارلیمانی بورڈ سے مستعفی ہوگئے۔ اس کے عبد جمعیت العلماء کی باری آئی۔ یہ حضرات کس بنا پر الگ ہوئے، اس کے متعلق مرزا ابوالحسن اصفہانی نے (جن کا ابھی پچھلے سال انتقال ہوا ہے) اپنی (نہایت پُرعقیدت) کتاب (Qaid-e-Azam, As I Knew Him) میں بڑے تاسف انگیز اور حسرت آمیز انداز میں لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> پارلیمانی بورڈ کے اجلاس میں بہت سی تقریریں ہوئیں۔ پہلے روز مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی تقریروں میں مسٹر جناحؒ کی حمایت کرتے ہوئے اس بات کا خیر مقدم کیا کہ انہوں نے مسلم لیگ کو زندہ اور فعال سیاسی میدان میں داخل کر دیا ہے لیکن آخری روز انہی میں سے ایک نے تجویز پیش کی کہ چونکہ لیگ کو کامیاب کرانے کے لئے پراپیگنڈے کی مہم کا بڑی خوش اسلوبی اور سرگرمی سے چلانا ضروری ہے، ہمارا خیال ہے کہ دیوبند کو اس پراپیگنڈے کا مرکز بنا دیا جائے بشرطیکہ اس مہم کا تمام خرچ لیگ برداشت کرے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ پروپیگنڈہ کی اس مہم کا آغاز کرنے کے لئے پچاس ہزار روپے کی ضرورت ہوگی۔ (ص 23)

پچاس ہزار روپے کے عوض

اس کے بعد اصفہانی (مرحوم) کہتے ہیں کہ 'اس وقت لیگ کے خزانہ میں پچاس ہزار روپیہ تو ایک طرف' پچاس پیسے بھی نہیں تھے اور ان مولانا حضرات کو اس کا بخوبی علم تھا۔ قائداعظمؒ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ اس وقت ہمیں خلوصِ نیت سے کام کا آغاز کر دینا چاہئے۔ جب قوم میں اس کا احساس پیدا ہو گیا کہ ہمارا موقف حق پر مبنی ہے تو روپے کی کمی نہیں رہے گی۔ لیکن یہ حضرات اس سے مطمئن نہ ہوئے اور مسلم لیگ کو چھوڑ کر کانگریس سے جا ملے اور پھر بقایا ساری عمر اس پروپیگنڈہ کے لئے وقف کر دی کہ جناحؒ اور مسلم لیگ کا نظریہ اور مسلک غیر اسلامی ہے اور ہندو کا موقف ''عین مطابقِ اسلام''! (یاللعجب) پچاس ہزار روپے میں' کفر اسلام ہو گیا اور اسلام کفر۔ اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

قومے فروختند و چہ

ارزاں فروختند!

اس ارزاں فروشی کا اندازہ اس خط سے لگائیے جو پنڈت جواہر لعل نہرو نے 5 جولائی 1937ء کو جھانسی کے بائی الیکشن کے سلسلہ میں' مسٹر رفیع احمد قدوائی (مرحوم) کو لکھا تھا۔ اس میں انہوں نے کہا تھا:

> جہاں تک کارکنوں کا تعلق ہے وہ باہر سے بھیجے جا چکے ہیں اور ابوالکلام آزاد نے اس کی بابت حسین احمد مدنی اور بشیر احمد کو مطلع بھی کر دیا ہے اور احمد سعید کو تار بھی دے دیا ہے۔ انہیں سفر خرچ دینا چاہئے۔ ہم کوشش کریں گے کہ مالی امداد بھی فراہم کی جائے۔ اس سلسلہ میں سات سو روپیہ پہلے ہی دیا جا چکا ہے۔

(Jamil-ud-Din Ahmad, Middle Phase of Muslim Political Movement. P-201)

یہ تھی قیمت دوقومی نظریہ کوخلاف اسلام اور متحدہ قومیت کوعین مطابق اسلام قرار دینے کی!

بورڈ سے علیحدگی

اس کے بعد احرار پارٹی کی باری آئی۔ یونینسٹ پارٹی کے سر فضل حسین (مرحوم) نے مشہور کر دیا کہ مسٹر جناحؒ نے بمبئی کے تاجروں اور راجہ محمود آباد سے پارلیمانی بورڈ کے لئے کئی لاکھ روپے حاصل کئے ہیں۔ اس سے احرارؔ کے چودہری افضل حق اور مولانا حبیب الرحمٰن وغیرہ اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے کہ اس فنڈ میں سے کم از کم ایک لاکھ روپیہ ان کے حصے میں ضرور آئے گا لیکن پارلیمانی بورڈ نے اس کے برعکس یہ شرط عائد کر دی کہ جس امیدوار کو لیگ کا ٹکٹ دیا جائے گا اسے پانچ سو روپیہ بورڈ کے فنڈ میں جمع کرانا ہوگا۔ اس سے ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور وہ بھی مسلم لیگ سے علیحدہ ہو گئے۔ (عاشق حسین بٹالوی، ص 326)۔ اور پھر بقایا عمر جناحؒ کو کافر قرار دینے کے ''جہاد'' میں گزار دی!

پنجاب میں یہ کچھ ہو رہا تھا تو مسلم لیگ کے مرکزی بورڈ میں حالات اس سے بھی زیادہ مایوس کن تھے۔ یو۔ پی سے نواب چھتاری۔ سر محمد یوسف اور نواب زادہ لیاقت علی خان نے بورڈ سے استعفیٰ دے دیا اور مسلم لیگ کے بجائے نیشنل ایگریکلچرل پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یاد رہے کہ نواب زادہ لیاقت علی خان کو ابھی چند ماہ قبل آل انڈیا مسلم لیگ کا سیکرٹری منتخب کیا گیا تھا۔ یہ پارٹی کس قسم کی تھی اور ان حضرات کا خمیر کس قسم کی مٹی سے اٹھا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جب نواب چھتاری نے' یو۔ پی کے گورنر کو ان ناموں کی فہرست بھیجی جنہیں پارلیمانی بورڈ میں شامل کیا جانا مطلوب تھا تو گورنر صاحب اس پر سخت برافروختہ ہوئے اور نواب

صاحب نے معافیاں مانگتے ہوئے وہ فہرست واپس لے لی اور۔۔۔اپنے رفقاء سمیت پارلیمانی بورڈ سے علیحدگی اختیار کر لی۔(شریف المجاہد صاحب' روزنامہ پاکستان ٹائمز' مورخہ 23 مارچ 1981ء) بہار سے سید حسین امام اور سید عبدالعزیز نے بھی بورڈ سے استعفیٰ دے دیا۔ بنگال میں مولوی فضل الحق نے لیگ سے الگ ہو کر نہ صرف اپنی جداگانہ پارٹی۔۔۔کرشک پروجا پارٹی۔۔۔تشکیل کر لی بلکہ لیگ کے خلاف سب وشتم کا افسوس ناک سلسلہ بھی شروع کر دیا۔(عاشق حسین بٹالوی''اقبال کے آخری دو سال''ص 352-342)۔

پنجاب سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر صرف دو امیدوار کامیاب ہوئے۔یعنی ملک برکت علی اور راجہ غضنفر علی خان۔راجہ صاحب (مرحوم) اس کامیابی کے بعد سیدھے یونینسٹ پارٹی کے جلسے میں پہنچے اور جاتے ہی اعلان کر دیا کہ وہ مسلم لیگ کو چھوڑ کر' یونینسٹ پارٹی میں شریک ہو گئے ہیں۔سر سکندر حیات نے ان کا استقبال کرتے ہوئے جو تقریر کی اس میں انہوں نے فرمایا کہ:

> راجہ صاحب میری مرضی اور میرے ایما سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تھے لیکن انہوں نے شروع ہی سے میرے ساتھ وعدہ کر رکھا تھا کہ الیکشن میں کامیاب ہونے کے فوری بعد یونینسٹ پارٹی میں شریک ہو جائیں گے۔

(عاشق حسین بٹالوی۔''اقبال کے آخری دو سال''۔ص 352-342)

مجھے عزیزانِ من! آج (پچاس سال کے بعد) ان گڑے مردوں کو اکھاڑنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن (چونکہ تحریکِ پاکستان کی کوئی مستند تاریخ مرتب نہیں ہوئی) میں سمجھتا ہوں کہ ہماری نئی نسل کو (جس نے وہ دور دیکھا ہی نہیں) یہ بتانے کی اشد ضرورت ہے کہ وہ کیا حالات تھے جن میں قائداعظمؒ نے اس مہم کا آغاز کیا تھا اور وہ کس قسم کے''رفقا'' تھے جن کے ساتھ آپ کو پالا پڑا تھا!

آپ سوچئے کہ اگر قائداعظمؒ کے سوا کوئی لیڈر بھی ہوتا تو وہ ان حالات سے بددل ہو کر مسلمانوں کے سیاسی میدان کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ چھاڑ الگ ہو جاتا لیکن یہ قائداعظمؒ کا عزمِ راسخ تھا جس نے ایسے نامساعد حالات اور اس قسم کی ہمت شکن مایوسیوں کا کوئی اثر نہ لیا اور کامل استقامت اور استقلال اور پوری دل جمعی اور سکونِ قلبی کے ساتھ اس وادیٔ پُر خار میں مردانہ وار آگے بڑھتے چلے گئے۔ اتنا ہی نہیں کہ وہ آگے بڑھتے گئے بلکہ ان کے حوصلے اور بھی بلند اور ان کی جرأتیں اور بھی بے باک ہو گئیں۔ (مثلاً) انہوں نے مارچ 1939ء میں مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے للکار کر کہا تھا کہ:

> میں انگریز اور ہندو دونوں کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ تم الگ الگ یا دونوں متفق ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ نہ تم اس تہذیب کو مٹا سکو گے جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔ ہمارا نورِ ایمان زندہ ہے۔ زندہ رہا ہے۔ اور زندہ رہے گا۔ تم ہم پر ظلم و ستم کرو۔ ہمارے ساتھ بدترین سلوک کرو۔ ہم ایک فیصلہ پر پہنچ چکے ہیں اور ہم نے یہ عزم کر لیا ہے کہ ہم لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔

اس سے بھی چند ماہ پہلے سندھ مسلم لیگ کی سالانہ کانفرنس (منعقدہ اکتوبر 1938ء) میں کہا کہ:

> برطانیہ ہندوستان کے مسلمانوں کو بھیڑیوں کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ برطانیہ سے وہی بازی لے جا سکتا ہے جس کے پاس قوت ہو لیکن ہم برطانیہ اور ہندو دونوں سے لڑیں گے۔

سچ ہے۔

مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

کفر کے فتوے

لیکن اس جہاد میں ہندو کی تیغ وسناں اور انگریز کی توپ وتفنگ سے کہیں زیادہ جگر پاش اور دل خراش ہمارے محافظانِ دینِ مبین کے کفر کے فتوؤں کے تیر وتبر تھے۔ انہی مولانا مدنی (مرحوم) نے جو پچاس ہزار روپیہ نہ ملنے پر لیگ سے الگ ہوکر، کانگریس کی آغوش میں جا بیٹھے تھے۔ فتویٰ صادر فرمادیا کہ:

مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت حرام ہے اور قائداعظم کافرِ اعظم ہے۔

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء، ص 1012)

اور اس مجلس احرار کے ایک ممتاز لیڈر (مولانا) مظہر علی اظہر نے، جس نے پانچ سو روپے پر لیگ کا ساتھ چھوڑا تھا، قائداعظمؒ کی شادی کے سلسلہ میں ایک سراسر غلط اتہام لگاتے ہوئے کہا تھا کہ:

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا۔ یہ قائداعظم ہے کہ ہے کافرِ اعظم (معاذ اللہ)۔

اور خود مجلسِ احرار نے اپنی ایک قرارداد میں کہا تھا کہ:

یہ اجلاس ایک بار پھر اعلان کرتا ہے کہ مسلم لیگ کی قیادت عظمیٰ غیر اسلامی ہے۔

دوسری طرف سے آواز آتی تھی کہ:

بحکم شریعت مسٹر جینا اپنے عقائدِ کفریہ، قطعیہ، یقینیہ کی بنا پر قطعاً مرتد

اور خارج از اسلام ہے اور جو شخص اس کے کفروں پر مطلع ہونے کے
بعد اس کو مسلمان جانے یا اسے کافر نہ مانے یا اس کے کافر و مرتد
ہونے میں شک رکھے یا اس کو کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر و
مرتد اور شر العام ہے اور بے توبہ مرے تو مستحق لعنتِ عزیز علام؟

(فرقہ بریلوی کی کتاب منجانب اہل سنۃ عن اہل الفتنۃ ۔ص 122)

لیکن قائداعظمؒ پر ان فتوؤں کا کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے کہ ایک تو وہ جانتے تھے کہ یہ حضرات ان سے کتنے پیسوں کا انتقام لے رہے ہیں۔ (اے کاش! اُس وقت لیگ کے پاس پچاس ساٹھ ہزار روپیہ بھی ہوتا تو تحریکِ پاکستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا اور مملکتِ پاکستان کا رنگ بھی کچھ اور۔ بعض اوقات کتنے چھوٹے چھوٹے واقعات تاریخ کا رُخ بدل دیتے ہیں!) اور دوسرے، انہیں اس کا بھی علم تھا کہ ان کے فتوے بدلتے کس آسانی سے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ جب کانگریس نے ترکِ موالات کا ریزولیوشن پاس کیا تو جمیعتہ العلماء نے بھی قرآن و حدیث کی بنا پر ترکِ موالات کا فتویٰ دے دیا۔ پھر حالات بدلے۔ اور سی۔ آر۔ داس اور موتی لال نہرو نے کونسلوں کے مقاطعہ کی شرط اٹھا دی تو انہی مولوی صاحبان نے پہلا فتویٰ منسوخ کر کے کونسلوں میں داخلے کو جائز قرار دے دیا۔ 1927ء میں انہی مولویوں کو کانگریس سے کچھ ذاتی پرخاش ہوئی تو جھٹ آغا خان اور سر شفیع کی قیادت قبول کر کے جداگانہ انتخاب کی حمایت اور نہرو رپورٹ کی مخالفت کا نیا فتویٰ صادر کر دیا۔ (ہماری قومی جدوجہد 1938ء، عاشق حسین بٹالوی، ص 70)۔

☆.....☆.....☆

مخالفین یہ حربے استعمال کر رہے تھے اور جناحؒ کا یقینِ محکم اور عزمِ راسخ اُسے ان غوغا آرائیوں سے بے نیاز، جانبِ منزل رواں دواں لئے چلا جا رہا تھا۔

بنگر کہ جوئے آب چہ مستانہ می رود مانندِ کہکشاں بگریبانِ مرغزار
وا کردہ سینہ را بہ ہوا ہائے شرق و غرب در برگرفتہ ہمسفرانِ زبون و زار
زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ، از ہمہ بیگانہ می رود

(پیام مشرق، ص151)

1937ء کے انتخابات کے نہایت تلخ و یاس انگیز تجربات کے بعد قائداعظمؒ کے ناقابلِ شکست عزم نے اس تجویز پر صاد کیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس (اپریل 1938ء میں) اسی لاہور میں منعقد کیا جائے۔ علامہ اقبالؒ کو اس سے بڑی مسرت ہوئی۔ شاید وہ (غیر شعوری طور پر) اپنے 1930ء کے خواب کی محسوس تعبیر کا پُر کیف نظارہ اپنی آنکھوں سے کرنا چاہتے تھے۔ لیکن سر سکندر حیات اور اس زمانہ کے خود پراونشل مسلم لیگ کے صدر نواب ممدوٹ (نواب سر شاہنواز ممدوٹ) کی سازش سے وہ تجویز کامیاب نہ ہوسکی لیکن قائداعظمؒ نے ہمت نہ ہاری تا آنکہ دو ہی سال بعد، وہ اجلاس، اسی لاہور میں، اس استقبالیہ کمیٹی کے زیر اہتمام، جس کے صدر وہی نواب ممدوٹ تھے، اس شان و شکوہ اور عظمت و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا جس کی مثال تاریخ میں بمشکل ملے گی۔ اسی کی یاد میں آج کی ہماری یہ تقریب منعقد ہو رہی ہے۔

لیکن اس اجلاس کا انعقاد قائداعظمؒ کی استقامت اور عزم کا امتحان اپنے آغوش میں لئے تھا۔ یہ داستان بڑی حیرت انگیز بھی ہے اور جرأت آموز بھی، اس لئے میں اسے ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ بالخصوص اس لئے کہ یہ میری شنید نہیں، دید ہے۔ میں اس کا عینی شاہد ہوں۔ شاہد ہی نہیں بلکہ اس کارزار میں خود بھی شریک تھا۔

لاہور کا اجلاس

1937ء کے انتخابات کے وقت مسلم لیگ کی کسمپرسی کی جو حالت تھی اسے ہم دیکھ چکے ہیں۔ اس سے اگلے سال آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد کرنے کی تجویز کو جس طرح ناکام بنا دیا گیا تھا، وہ بھی ہماری نظروں سے گذر چکا ہے لیکن اس مردِ آہن کی اَن تھک کوششوں اور بے پناہ ہمتوں نے دو ہی سال کے عرصہ میں قوم میں جو انقلاب پیدا کر دیا تھا اس کی نظیر بھی تاریخ میں کم ہی ملے گی۔ چنانچہ جب 1940ء کے اوائل میں یہ فیصلہ ہوا کہ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مارچ میں لاہور ہی میں منعقد ہوگا تو قوم نے جس ذوق وشوق، جس جوش وخروش، جس دبدبہ اور طنطنہ سے اس فیصلہ کا استقبال کیا اس سے نظر آتا تھا کہ یہ دو سال پہلے کی قوم نہیں۔ ایک نئی قوم ہے جو تازہ امنگوں اور پُر کیف آرزوؤں کی ایک دنیا اپنے جلو میں لئے اپنے نصب العین کی طرف بڑھے چلی جا رہی ہے۔ ہر نگہ بصیرت دیکھ رہی تھی کہ یہ قوم نہیں، پُر خلوص دِلوں کا ایک سمندر ہے جس کی تلاطم خیزیوں کا کوئی حریف نہیں ہوسکتا۔ ہماری نئی نسل کی حرماں نصیبیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اس نے اس قوم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہی نہیں جو خلوص وایثار کا شعلہ جوالہ تھی۔ اس نے اس قوم کو دیکھا ہے جو راکھ کا ڈھیر اور افسردگیوں اور مایوسیوں کا ماتم کدہ ہے۔ غالبؔ نے اس تقابل کو جس دلکش لیکن حسرت آمیز انداز سے بیان کیا ہے اس سے بہتر منظر کشی ممکن نہیں۔ اس نے سو سال پہلے جو کچھ کہا تھا وہ آج ہمارے حال پر صادق آتا ہے۔ اُس نے کہا تھا ؎

اے تازہ و اردانِ بساطِ ہوائے دِل — زنہار، اگر تمہیں ہوسِ ناؤ نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ حیرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوش حقیقت نیوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامانِ باغبان و کفِ گُل فروش ہے
یا صبح دم جو دیکھئے آ کر تو بزم میں — نے وہ سرور و شور نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

بہرحال' اس اعلان پر کہ لیگ کا سالانہ اجلاس' مارچ میں لاہور میں منعقد ہوگا' سارا ملک' دامانِ باغبان و کفِ گُل فروش کا بہار آفریں منظر پیش کر رہا تھا' اِدھر قوم کی یہ کیفیت تھی لیکن دوسری طرف اس کے مخالفین کی چھاتی پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ ان کی مذموم کوشش تھی کہ کچھ ایسا کیا جائے کہ یہ اجلاس منعقد نہ ہونے پائے۔ اس مقصد کے لئے کانگریس کے منتخب صدر' (مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم) لاہور آئے اور سر سکندر حیات (مرحوم) سے خفیہ ملاقات کی۔ اس میں کیا طے پایا اس کی کانوں کان کسی کو خبر نہ ہوئی۔ اجلاس کی تاریخیں قریب تر آتی گئیں۔ لوگوں کا ولولۂ شوق تیز تر ہوتا گیا۔ تیاریاں زور پکڑتی گئیں' کہ جلوسِ صدر مسلم لیگ (قائداعظمؒ) کے عین دو دن پہلے (19 مارچ 1940ء کی) شام کے قریب یہ وحشت انگیز خبر ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئی کہ لاہور میں خاکساروں کے جلوس پر گولی چلا دی گئی ہے۔ اس سے تمام شہر ماتم کدہ بن گیا۔ دفعہ 144 نافذ کر دی گئی بلکہ کرفیو لگا دیا گیا۔ مجھے اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ذرا پہلے مل گئی تھی۔ میں (علامہ مشرقی مرحوم سے ملنے کے بعد' جو اس وقت دہلی آ گئے تھے) اس خبر کو قائداعظمؒ کے گوش گزار کرنے کے لئے ان کے دولت کدہ پر پہنچا۔ وہ منظر اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں ان سے اس موضوع پر باتیں کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا۔ مجھے اندازہ تو پہلے ہی ہو گیا تھا۔ قائداعظمؒ نے بعد میں بتایا کہ لاہور سے' نواب شاہ نواز (مرحوم) چیئرمین استقبالیہ کمیٹی کا فون تھا۔ اُدھر سے کیا کہا جا رہا تھا اسے تو میں سُن نہیں سکتا تھا۔ اِدھر کیفیت یہ تھی کہ ایک ایک فقرہ پر' پورے دبدبے اور طنطنے کے ساتھ کوہ آسا عزم و اعتماد کا اظہار ہو رہا تھا۔ آخری فقرہ کچھ اس طرح کا تھا کہ خواہ مارشل لاء نافذ ہو یا کرفیو لگے۔ یہ اجلاس منعقد ہوگا اور ہر

حال میں ہوگا۔ میں پروگرام کے مطابق لاہور پہنچ رہا ہوں۔ چنانچہ وہ پروگرام کے مطابق لاہور پہنچے اور جس شان وشوکت' لیکن انتہائی سکوت وسکون کے ساتھ وہ اجلاس منعقد ہوا۔ چشم فلک نے اس کی مثال کم دیکھی ہوگی۔

(ضمناً) معلوم نہیں! یہ قائداعظمؒ کی ذات کے ساتھ لوگوں کی والہانہ عقیدت اور احترام تھا یا ان کی شخصیت کی سحر انگیزی۔ اُس زمانے میں قائداعظمؒ اردو کے چار لفظ بھی نہیں جانتے تھے۔ کیفیت یہ ہوتی تھی کہ لاکھوں کا مجمع ہے جس میں نوے فیصد سامعین انگریزی کا ایک لفظ نہیں سمجھتے۔ قائداعظمؒ' دو دو' تین تین گھنٹوں تک انگریزی میں تقریر کر رہے ہیں اور کیا مجال کہ اس لاکھوں کے مجمعے میں کسی کے کھانسنے تک کی آواز بھی سنائی دے! اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ قوم کس قدر (Disciplined) ہو چکی تھی۔ آج سیاسی بیداری نام رہ گیا ہے ہنگامہ خیزی' غوغا آرائی اور فساد انگیزی کا۔ یہ قائداعظمؒ کی تربیت یا ان کے ذاتی کردار کا غیر شعوری اثر تھا کہ قریب دس سالہ تحریکِ پاکستان کے دوران' جب چاروں طرف مخالفت کی آگ بھڑکائی جا رہی تھی۔ وابستگانِ تحریک کی طرف سے نہ کسی جگہ کسی قسم کا ہنگامہ برپا کیا گیا' نہ فساد کھڑا کیا گیا۔ قوم پر راہنمایانِ قوم کی سیرت وکردار کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے بشرطیکہ وہ منافقانہ نہ ہو بلکہ خلوص اور صداقت پر مبنی ہو۔ قائداعظمؒ نے قوم کو 'یقین' اتحاد اور ضبط کا جو سلوگن دیا تھا' قوم اس کی محسوس علامت بن گئی تھی۔ ان پُر آشوب اور صبر آزما حالات میں قراردادِ پاکستان منظور ہوئی جسے اس تحریک کے سنگِ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ تاریخ اس ستم ظریفی اور بوالعجبی کو کس طرح فراموش کر دے گی کہ جس وقت ''مسٹر جناح'' یہ اعلان کر رہے تھے کہ ہم ایک ایسا خطہ زمین حاصل کرنا چاہتے ہیں جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے نقوش قدم کے اتباع میں اسلامی مملکت قائم کی جائے گی' (مولانا) ابوالکلام آزاد (جنہیں کسی زمانے میں امام الہند کہہ کر پکارا جاتا تھا) رام گڑھ کے مقام پر کانگریس

کے سالانہ اجلاس کے خطبہ صدارت میں یہ ویا کھیان دے رہے تھے کہ:

وقت کی ساری پھیلی ہوئی اندھیاریوں میں انسانی فطرت کا ایک ہی روشن پہلو ہے جو مہاتما گاندھی کی عظیم روح کو تھکنے نہیں دیتا۔

مسٹر جناحؒ یہ کہہ رہے تھے کہ:

مسلمان، دین کے اشتراک کی بنا پر، ہندوؤں، بلکہ ساری دنیا کے غیر مسلموں کے مقابلہ میں ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اور مولانا آزاد یہ فرما رہے تھے کہ:

یہ تخیل کہ مسلمان بر بنائے مذہب ایک جداگانہ قوم ہیں اور ہندوستان میں دو الگ الگ قومیں آباد ہیں۔ ایک ہندو اور دوسری مسلمان۔ انگریزوں کا وضع کردہ ہے۔ میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میں ہندوستان کی ایک اور ناقابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں۔

قرارداد پاکستان کی مخالفت، اکیلے (مولانا) ابوالکلام آزاد کی طرف سے ہی نہیں ہوئی تھی۔ تمام نیشنلسٹ مسلمان اس کی مخالفت میں انتہائی گرم جوشی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ جمیعت العلماء ہند (جس کے نامور سربرآوردگان کے کردار کی ایک جھلک ہم انتخابات 1937ء کے پچاس ہزار روپیہ کے مطالبہ کے سلسلہ میں دیکھ چکے ہیں)۔ احرارِ اسلام۔ سرخ پوش۔ وغیرہم، سب کی طرف سے مخالفت ہوئی تھی۔ سندھ کے خان بہادر اللہ بخش (مرحوم) نے اس قرارداد کے متعلق کہا تھا:

یہ اسکیم آزادئ ہند کے راستے میں روڑے اٹکاتی ہے۔

عبدالرحمٰن سرحدی نے کہا:

یہ ہندوستان میں برطانوی تسلط قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے فرمایا:

اس سے برطانوی حکومت قائم رہے گی۔

احراری لیڈر (مولانا) حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے کہا:

یہ اسکیم ملک کے مفاد کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے مفاد کے لئے بالخصوص نقصاں رساں ہے۔ اگر کبھی اسلامستان وجود میں آیا تو احرار کے ہاتھوں آئے گا۔

سب سے زیادہ دلچسپ کردار سر سکندر حیات (مرحوم) کا تھا۔ ان کی مخالفت کے علی الرغم جب یہ اجلاس منعقد ہو گیا تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اس کمیٹی میں شامل ہیں جس نے قرارداد پاکستان کا مسودہ مرتب کیا تھا۔ اس کے بعد ہم انہیں اسلامیہ کالج کے طلبا کو یہ نصیحت کرتے ہوئے سنتے ہیں کہ:

زندگی میں تمہارا نصب العین کچھ ہی ہو لیکن یاد رکھو۔ تم کسی ایسی اسکیم کی تائید نہ کرنا جس کا منشاء ہندوستان کو تقسیم کر کے مسلمانوں کے لئے الگ خطہ منتخب کرنا ہو۔ یہ اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف ہو گا۔

سر سکندر کی طرف سے اس مخالفت کا نتیجہ تھا کہ ان کی پارٹی (یونینسٹ) کے سربراہ سر چھوٹو رام کہتے تھے کہ:

سر سکندر کسی خالص اسلامی حکومت میں وزیر اعظم تو ایک طرف، کوئی ذمہ داری کا عہدہ لینے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں گے۔ پنجاب میں

صرف پنجابیوں کی حکومت ہوگی۔

مخالفتوں کے اس تمام ہجوم میں، عزمِ راسخ کا یہ فولادی پیکر، چٹان کی طرح کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا کہ:

> لاہور کے پلیٹ فارم ہی سے مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ پیش کیا اور آج (یکم مارچ 1941ء کو) میں اسی پلیٹ فارم سے اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان ایک ایسی منزل ہے جس تک پہنچنے سے مسلمانوں کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ہندوستان کے براعظم میں پاکستان کے سوا کوئی دستور کامیاب نہیں ہوسکتا۔ پاکستان بن کر رہے گا۔

☆.....☆.....☆

مودودی مرحوم کی مخالفت

یہ مخالفتیں ہنگامی اور وقتی تھیں۔ جوں جوں ان کا اثر کم ہوتا گیا، یہ ماند پڑتی گئیں۔ لیکن سب سے زیادہ شدید اور دوررس مخالفت ایک اور گوشے کی طرف سے ہوئی۔ یہ مخالفت تھی سید ابوالاعلیٰ مودودی کی طرف سے۔ ان کی طرف سے مخالفت بڑی غیر متوقع بھی تھی اور تعجب انگیز بھی۔ یہ پہلے کانگریسی تھے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک نیشنلسٹ علماء کے آرگن الجمیعتہ کے حلقہ ادارت میں شامل رہے اور گاندھی جی کی سوانح عمری بھی مرتب کی۔ پھر یہ حیدرآباد (دکن) چلے گئے اور وہاں علامہ اقبالؒ کے پیش کردہ دوقومی نظریہ کی تائید میں مضامین لکھتے رہے۔ اس سے یہ مسلم لیگی حلقوں میں قدرے مقبول ہوئے تو یہ کہتے ہوئے پنجاب کی طرف آ گئے کہ وہ علامہ اقبالؒ کے مشن کی تکمیل کے لئے آ رہے ہیں۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے جب اپنے پاؤں جما لئے تو بقایا ساری عمر (تقسیم ہند سے پہلے تحریک پاکستان کے دوران اور تشکیلِ پاکستان کے بعد مرتے دم تک) علامہ

اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے تصور پاکستان کی مخالفت میں بسر کی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اپنے مشن میں سب سے زیادہ کامیاب رہے۔ علامہ اقبالؒ نے مملکتِ پاکستان کا تصور پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس سے وہ نقوش مٹ جائیں گے جو ہمارے دور ملوکیت میں مذہبی پیشوائیت کی وساطت سے اسلام پر لگ چکے تھے اور جس سے اس کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اور قائداعظمؒ نے بار بار اعلان کیا تھا کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی قائم نہیں ہو گی۔ مودودی (مرحوم) کی پہلے تو یہ اسکیم تھی کہ پاکستان بننے ہی نہ پائے اور جب یہ بن گیا تو انہوں نے یہ اسکیم مرتب کی کہ جس تھیاکریسی کو مٹانے کے لئے اقبالؒ اور قائداعظمؒ نے اس مملکت کو قائم کرایا ہے' اس میں وہی تھیاکریسی مسلط رہے۔ چنانچہ (جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے) اس وقت پاکستان میں جو تھیاکریسی مسلط ہو رہی ہے' وہ مودودی (مرحوم) کی اسکیم ہی کا نتیجہ ہے۔ یہ وجہ ہے جو ہم نے کہا ہے کہ مودودی (مرحوم) اپنے مشن میں کامیاب رہے ہیں۔ چونکہ طلوع اسلام کا مشن' پاکستان میں (اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے تصور کے) اس اسلام کو برسر اقتدار لانا تھا جس میں تھیاکریسی کا کوئی عمل دخل نہ ہو' اس لئے وہ مودودی (مرحوم) کی اسکیم کی مخالفت میں ان کے ساتھ شانہ بشانہ ہمسفر رہا۔ اس سلسلہ میں' اس میں مسلسل اور متواتر لکھا جاتا رہا اور اس کثرت سے کہ اسے یکجا کرنے سے ضخیم کتابیں مرتب ہو جائیں۔ طلوع اسلام میں جو کچھ لکھا گیا اسے بار بار دھرانے کی ضرورت اس لئے پیش آتی رہی کہ (دیگر مخالف جماعتوں نے) تشکیلِ پاکستان کے بعد اس کا اعتراف کر لیا کہ انہوں نے واقعی اس تحریک اور مطالبہ کی مخالفت کی تھی لیکن مودودی (مرحوم) اور ان کی جماعت برابر یہ کہتی چلی گئی کہ انہوں نے مطالبہ پاکستان کی مخالفت قطعاً نہیں کی تھی۔ میں نے اس وقت اس تلخ داستان کے دہرانے کی ضرورت اس لئے سمجھی ہے کہ جیسا کہ میں نے ابھی ابھی کہا ہے اس وقت جس اسلام کو پاکستان میں نافذ کیا جا رہا ہے وہ مودودی

(مرحوم) ہی کی اسکیم کا نتیجہ ہے۔

مرحوم نے (پنجاب آنے کے بعد) تحریک پاکستان کے خلاف بالعموم اور قائداعظمؒ کے خلاف بالخصوص اپنے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جسے بعد میں کتابی شکل میں شائع کیا گیا تھا۔ اس کا نام تھا ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش''۔ حصہ سوم۔ ذیل میں جو اقتباسات پیش کئے جائیں گے وہ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن سے ماخوذ ہیں جو آرمی پریس۔ دہلی میں چھپا تھا۔ ان اقتباسات کو غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

مطالبۂ پاکستان کی بنیاد اس دعوے پر تھی کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں۔ مودودی (مرحوم) نے کہا کہ وہ کون سے مسلمان ہیں جن کے الگ قوم ہونے کا آپ دعویٰ کر رہے ہیں؟

> یہ.....جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے' اس کا حال یہ ہے کہ اس کے 999 فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو مسلمان کا نام ملتا چلا آ رہا ہے' اس لئے یہ مسلمان ہیں۔ نہ انہوں نے حق کو حق جان کر قبول کیا ہے نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرتِ رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابلِ داد ہے۔ ایک قوم کے تمام افراد کو محض اس وجہ سے' کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں' حقیقی معنی میں مسلمان فرض کر لینا اور یہ امید رکھنا کہ ان کے اجتماع سے جو کام بھی ہوگا' اسلامی اصول ہی پر ہوگا' پہلی اور بنیادی

غلطی ہے۔

(جلد سوم، ص 130)

یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے، وہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ کیریکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافر قوموں میں پائے جاتے ہیں، اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں۔

(جلد سوم، ص 166)

ان وجوہ سے وہ عظیم الشان تعداد، جو ہم کو مردم شماری کے رجسٹروں میں نظر آتی ہے، اسلامی اغراض کے لئے قریب قریب بالکل بے کار ہو چکی ہے۔ اس کی تعداد کے بھروسے پر اگر کچھ کیا جائے گا تو سخت مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

(جلد سوم، ص 56)

دوسری جگہ لکھا:

اگر آپ اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کا جائزہ لیں گے تو اس میں آپ کو بھانت بھانت کا مسلمان نظر آئے گا۔ مسلمان کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ شمار نہ کر سکیں۔ یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل، کوے، گدھ، بٹیر، تیتر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں اور ان میں سے ہر ایک ''چڑیا'' ہے۔

(جلد سوم، ص 31)

اسلام کو تانبے کے ان سکوں کا خزانہ مطلوب نہیں جن پر اشرفی کا

ٹھپہ لگایا گیا ہو۔ وہ سکہ کے نقوش دیکھنے سے پہلے یہ دریافت کرتا ہے کہ ان نقوش کے نیچے خالص سونے کا جوہر بھی ہے یا نہیں۔ ایسا ایک سکہ ان جعلی اشرفیوں کے ڈھیر سے، اس کے نزدیک، زیادہ قیمتی ہے۔

(جلد سوم، ص 167)

یہ تو رہا مسلم قومیت کے متعلق۔ ان کی قیادت (لیڈر شپ) کے متعلق کہا:

مسلم لیگ کی قیادت کے خلاف

افسوس کہ لیگ کے قائداعظمؒ سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو۔ (جلد سوم، ص 37) ایسے لوگوں کو محض اس لئے مسلمانوں کی قیادت کا اہل قرار دینا کہ وہ مغربی سیاست کے ماہر یا مغربی طرزِ تنظیم کے استادِ فن ہیں اور اپنی قوم کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں، سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت ہے۔ (جلد سوم، ص 70) ان لوگوں کی عملی زندگی اور ان کے خیالات، نظریات، طرزِ سیاست اور رنگِ قیادت میں خوردبین لگا کر بھی اسلامیت کی کوئی چھینٹ نہیں دیکھی جا سکتی۔

(جلد سوم، ص 74)

اس کے بعد کہا:

اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے دین سے بے بہرہ لوگوں کی قیادت

میں' ایک بے دین قوم کی حیثیت سے اپنا علیحدہ وجود برقرار رکھا بھی (جیسا کہ ترکی اور ایران میں برقرار رکھے ہوئے ہیں) تو ان کے اس طرح زندہ رہنے میں اور کسی غیر مسلم قومیت کے اندر فنا ہو جانے میں آخر فرق ہی کیا ہے؟ ہیرے نے اگر اپنی جوہریت ہی کھو دی تو پھر جوہری کو اس سے کیا دلچسپی کہ وہ کم بخت پتھر کی صورت میں باقی رہے یا منتشر ہو کر خاک میں رل مل جائے۔

(جلد سوم' ص 8)

مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے جواز' بلکہ ضرورت کے لئے دلیل یہ دی جاتی تھی کہ اس میں اسلامی حکومت قائم کی جائے گی۔ اس حقیقت کو 1930ء سے لے کر 1947ء تک برابر دہرایا جاتا رہا۔ لیکن مودودی (مرحوم) کا ارشاد یہ تھا کہ:

مسلم لیگ کے کسی ریزولیوشن اور لیگ کے ذمہ دار لیڈروں میں سے کسی کی تقریر میں آج تک یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمحِ نظر پاکستان میں اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنا ہے۔ جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے' ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومتِ الٰہی قائم ہو جائے گی' ان کا گمان غلط ہے۔ دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہو گا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہو گی بلکہ اس سے بھی زیادہ قابل لعنت۔

(جلد سوم' ص 132-130)

جو کچھ مودودی (مرحوم) اس وقت کہتے تھے اسے آپ نے سُن لیا۔ اس کے برعکس حقیقت کیا تھی اس کے متعلق ہم سے نہیں، خود مودودی صاحب کی زبان سے سنئے۔ انہوں نے 1976ء میں ایک بیان دیا تھا جو روزنامہ نوائے وقت کی اشاعت بابت 14 اگست 1976ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے کہا تھا کہ:

> اس تحریک کے آغاز ہی سے عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی تمناؤں کا مرکز، پاکستان، ایک اسلامی مملکت ہوگا جس میں اسلام کا قانون جاری ہوگا اور اسلامی تہذیب زندہ کی جائے گی۔ اسی لئے ان کا نعرہ یہ تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔ لا الٰہ الا اللہ۔۔۔ مسلم لیگ کے لیڈر بھی اپنی تقریروں میں یہی خیال ظاہر کر رہے تھے اور سب سے بڑھ کر، خود قائداعظمؒ مرحوم و مغفور نے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان کا دستور قرآنی ہوگا۔

اس کے باوجود وہ تحریکِ پاکستان کے زمانے میں کہتے تھے کہ:

> مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں بھی کوئی دلچسپی نہیں کہ ہندوستان میں جہاں مسلمان کثیر التعداد ہیں وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے۔

(جلد سوم، ص 93)

اس زمانے میں ان سے کہا گیا کہ چلئے! مسلمانوں میں ہزار نقص سہی۔ مسلم لیگ اور اس کی قیادت بھی آپ کے نزدیک اسلامی معیار پر پوری نہیں اترتی لیکن اس وقت جو جنگ ہو رہی ہے اس میں مطالبہ صرف اتنا ہے کہ مسلمان اکثریت کے علاقوں میں اپنی آزاد مملکت قائم کر لی جائے۔ اگر یہ

الگ خطۂ زمین مل گیا تو اس میں اسلامی مملکت قائم ہو جانے کا امکان تو ہوگا۔ آپ وہاں اسلامی حکومت قائم کر لیجئے گا۔ اس کے جواب میں وہ کہتے تھے۔

> بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غیر اسلامی طرز ہی کا سہی، مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ قائم تو ہو جائے۔ پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعے سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مگر میں نے تاریخ، سیاسیات اور اجتماعیات کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے، اس کی بنا پر میں اس کو ناممکن سمجھتا ہوں اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اس کو ایک معجزہ سمجھوں گا۔

(جلد سوم، ص 168)

تاریخ پاکستان میں 46-1945ء کا زمانہ بڑا نازک تھا۔ انگریز اور ہندو نے 1937ء کے انتخابات سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر ایک بار الیکشن پھر کرائے جائیں تو مسلم لیگ کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہونے کے دعوے کی قلعی کھل جائے گی۔ اس مقصد کے لئے 1946ء میں انتخابات کا فیصلہ کیا گیا۔ ان انتخابات کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ قائداعظمؒ (اپنی انتہائی خرابیٔ صحت کے باوجود) ملک بھر میں مسلسل دورے کر رہے تھے اور مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ یاد رکھو:

> اگر ہم اس جدوجہد میں ناکام رہ گئے تو نہ صرف یہ کہ ہم ناکام رہ جائیں گے بلکہ اس برصغیر میں مسلمانوں اور اسلام کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

(23 مارچ 1945ء کو قوم کے نام خطاب)

اس وقت ایک ایک ووٹ فیصلہ کن حقیقت بن سکتا تھا۔ ایسے نازک وقت میں مودودی (مرحوم) سے کہا گیا کہ وہ انتخابات میں مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ:

> ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو، بہرحال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔

(اخبار کوثر، مورخہ 28 اکتوبر 1945ء، بحوالہ ''مولانا مودودی، دعاوی اور عمل'' ص 8)

آخری وقت تک مخالفت

مودودی (مرحوم) کی اس قدر شدید مخالفت کے باوجود قائداعظمؒ کو کامیابی حاصل ہوئی اور حکومتِ برطانیہ نے فروری 1947ء میں اعلان کر دیا کہ جون 1948ء تک ملک کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس پر مودودی صاحب نے سوچا کہ مسلم اکثریت کے صوبے ان کی مخالفت سے متاثر نہیں ہوئے تو اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو مطالبۂ پاکستان کے خلاف اکسانا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے جماعت اسلامی کے وفود نے اقلیتی صوبوں کا رُخ کیا اور اپریل 1947ء کے اواخر میں ٹانک، مدراس اور پٹنہ میں جماعت کے مخصوص اجلاس منعقد کئے۔ ان میں مسلم اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں سے کیا کہا جاتا تھا، اس کا اندازہ خود مودودی صاحب کی ایک تقریر سے لگائیے جو انہوں نے 25 اپریل 1947ء کو مدراس میں کی تھی۔ اس میں انہوں نے کہا تھا:

ہندو اکثریت کے علاقوں میں مسلمان عنقریب یہ محسوس کرلیں گے کہ جس قوم پرستی پر انہوں نے اپنے اجتماعی رویہ کی بنیاد رکھی تھی وہ انہیں بیابانِ مرگ میں لاکر چھوڑ گئی ہے اور ان کی قومی جنگ جسے وہ بڑے جوش وخروش سے بغیر سوچے سمجھے لڑ رہے تھے ایک ایسے نتیجے پر ختم ہوئی ہے جو ان کے لئے تباہی کے سوا اپنے اندر کچھ نہیں رکھتا۔

(روئیدادِ جماعت اسلامی، حصہ پنجم، ص 114 وص 120)

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ تحریک پاکستان کی بجائے اگر مسلمانانِ ہند اس دعوت کو قبول کر لیتے جو وہ دے رہے تھے:

تو آج ہندوستان کی سیاست کا نقشہ بالکل بدلا ہوا ہوتا اور دو چھوٹے چھوٹے پاکستانوں کی جگہ سارے ہندوستان کے پاکستان بن جانے کے امکانات ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے۔ (یاد رکھئے) جوں ہی ہندوستان کی سیاست کا موجودہ دور ختم ہو کر نیا دور شروع ہوا، اقلیت کے علاقوں میں مسلمانوں کو اپنی واقعی یاس انگیز پوزیشن کا عام احساس شروع ہو جائے گا۔ (ایضاً)۔

ان کے ایک اہم رفیق، ملک نصر اللہ خان (مرحوم) نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اسلام کے نفاذ اور اقامتِ دین کے لئے کسی خطۂ زمین کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔ پٹنہ کے اجلاس میں انہوں نے اپنی تقریر کے دوران کہا:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اقامتِ دین کے آغاز سے پہلے زمین کا

ایک قطعہ حاصل کر لینا ضروری ہے جہاں دین کو برپا کر سکیں۔ حیرت ہے کہ یہ چیز خاصے سمجھدار اور بظاہر معقول اور عالمِ دین لوگوں تک کی طرف سے کہی جاتی ہے۔ ایسی باتیں وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جو یا تو سیاست اور فلسفۂ اجتماع سے کلیتًا نابلد ہیں اور محض اِدھر اُدھر سے چند باتیں اور نعرے سُن سُنا کر سیاسی تحریکوں میں شامل ہو گئے ہیں اور کوئی اور سمجھدار آدمی موجود نہ ہونے کی وجہ سے لیڈری کے درجے کو پہنچ گئے ہیں یا پھر نفس پرستی میں مبتلا اور خدا کے خوف سے آزاد ہونے کی وجہ سے اَن پڑھ اور حقائق و سیاست سے ناواقف عوام کو بے وقوف بناتے ہیں تاکہ وہ ان کے چنگل سے نکلنے نہ پائیں۔ ورنہ موٹی بات ہے کہ حکومت کے قیام کے لئے آپ کو اینٹ اور گارے کی ضرورت نہیں کہ آپ قطعاتِ زمین تاکتے پھریں۔ اس کے لئے آپ کو زمین کی نہیں بلکہ ایک ایسی مضبوط اور منظّم جماعت کی ضرورت ہے جو آپ کے پیشِ نظر نظریۂ حکومت کو ماننے اور اس کے لئے مر مٹنے والی ہو۔ اگر آپ نے ایسی جماعت پیدا کر لی تو جہاں بھی وہ ہوگی وہیں وہ اس نظریے کی حکومت قائم کر لے گی۔

(ایضاً، ص 154)

(ضمناً) مسلم اقلیتی صوبوں کو مطالبۂ پاکستان کی مخالفت کے لئے اکسانے کی اسکیم، مودودی (مرحوم) کی اپنی نہیں تھی۔ یہ درحقیقت (مولانا) ابوالکلام آزاد (مرحوم) کی صدائے بازگشت تھی

انہوں نے اپریل 1946ء میں ایک بیان جاری کیا تھا جس میں پہلے کہا تھا کہ:

مجھے اعتراف ہے کہ پاکستان کی اصطلاح ہی میری روح کے خلاف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کرۂ ارض کے بعض حصے پاک ہیں اور باقی ناپاک۔ زمین کے مختلف خطوں کی ''پاک اور ناپاک'' کی یہ تقسیم یکسر غیر اسلامی اور اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ اسلام اس قسم کی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''خدا نے پورے کرۂ ارض کو میرے لئے مسجد بنایا ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے فرمایا:

آیئے! ذرا جذبات سے ہٹ کر سوچیں کہ اگر پاکستان کی اسکیم عمل میں آ گئی تو اس کے نتائج اور عواقب کیا ہوں گے۔ اس سے ہندوستان دو مملکتوں میں بٹ جائے گا ایک میں مسلمان اکثریت میں ہوں گے اور دوسری میں ہندو۔ ہندوستانی مملکت میں قریب ساڑھے تین کروڑ مسلمان رہ جائیں گے جو مختلف گوشوں میں اقلیت کی حیثیت سے بکھرے ہوں گے..... ان علاقوں میں انہوں نے ہزار سال سے اپنے مساکن تعمیر اور مسلم ثقافت اور تہذیب کے مراکز قائم کئے تھے۔ وہ ایک صبح اٹھیں گے اور اپنے آپ کو ان علاقوں میں اجنبی اور حریف پائیں گے۔ وہ صنعت و حرفت۔ تعلیم اور معاشیات میں، (ہندوؤں سے) بہت پیچھے ہوں گے اور اپنے آپ کو اس مملکت کے رحم و کرم پر محسوس کریں گے جس میں اس وقت خالصتہً ہندو راج

ہوگا۔

(India Wins Freedom. P.P-142-43)

یہ تھا مخالفتوں کا وہ ہجوم جس کا مقابلہ قائداعظمؒ کی جانِ ناتواں اکیلے کر رہی تھی۔ یہ سب اپنے نصب العین کی صداقت پر یقینِ محکم اور اس کے حصول کے لئے عزمِ راسخ کی بدولت تھا۔ سچ ہے۔

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو
کٹ جاتی ہیں زنجیریں

جس شخص کو اپنے مسلک کی صداقت پر یقینِ محکم ہو وہ اپنے اصولوں کے معاملہ میں کسی کے ساتھ کسی قسم کی سودے بازی کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ وہ اپنے مقام پر چٹان کی طرح کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ مصالحت یا مفاہمت کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی۔ بڑے سے بڑا لالچ یا مہیب سے مہیب خطرہ اس کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں کرسکتا۔ وہ دوٹوک بات کرتا ہے جس میں نہ کسی قسم کا ابہام ہوتا ہے نہ التباس۔ وہ اپنا دعویٰ صاف اور واضح الفاظ میں پیش کرتا ہے اور اس باب میں نہ کسی قسم کی مداہنت سے کام لیتا ہے نہ منافقت برتتا ہے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ:

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

قائداعظمؒ کی زندگی اسی قسم کی ہم آہنگیٔ قلب و زبان کی مظہر تھی۔ 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت ہندوستان کو فیڈریشن بنانے کی تجویز پیش کی گئی تو قائداعظمؒ نے اس کی سختی کے ساتھ مخالفت کی۔ انگریز کی انتہائی خواہش تھی کہ وہ اسکیم پروان چڑھ جائے۔ قائداعظمؒ کو ہمنوا بنانے (یا یوں کہئے کہ خریدنے) کے لئے برطانیہ کے وزیراعظم لارڈ رمزے میکڈانلڈ نے انہیں

ذاتی ملاقات میں کہا کہ اگر سنہا ایک صوبے کا گورنر بن سکتا ہے تو کوئی اور بھی بن سکتا ہے۔ اگر سنہا لارڈ کا خطاب حاصل کر سکتا ہے تو کوئی اور بھی ایسا کر سکتا ہے۔ اس نے سمجھا کہ ایک صوبے کی گورنری یا لارڈ کا خطاب اتنی بیش بہا قیمت ہے جس کے عوض کسی ہندوستانی کو بھی خریدا جا سکتا ہے لیکن آپ کو معلوم ہے۔ قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں کیا کہا؟ انہوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا اور خاموشی سے وزیراعظم کے کمرے سے باہر نکلنے لگے۔ اس پر وہ بڑا متعجب ہوا اور الوداعی الفاظ کہنے کے ساتھ پوچھ ہی لیا کہ آپ کا ایسا ردعمل کیوں ہوا؟ قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں انتہائی متانت کے ساتھ کہا کہ:

''اب میں آپ سے آئندہ کبھی نہیں ملوں گا' کیونکہ آپ مجھے بکاؤ مال سمجھتے ہیں۔''

لارڈ فنلتھگو اپنے رعب و داب کے لئے بڑا مشہور تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران اس نے وار کونسل مقرر کی اور اس میں مسلم لیگی وزراء مولوی فضل الحق اور سر سکندر حیات کو بھی شامل کر لیا۔ قائداعظمؒ نے وار کونسل کو بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا اور ان دونوں سے کہا کہ وہ وار کونسل سے مستعفی ہو جائیں۔ جب وائسرائے کو اس کا علم ہوا تو اس نے قائداعظمؒ کو ملاقات کے لئے بلا بھیجا۔ ملاقات کے لئے گیارہ بجے کا وقت مقرر تھا لیکن قائداعظمؒ ٹیلی فون پر بار بار یاددہانی کے باوجود سوا گیارہ بجے سے پہلے وائسرایگل لاج نہ پہنچے۔۔۔ یہ اس لئے کہ وائسرائے کو معلوم ہو جائے کہ اس کی یہ حرکت قائداعظمؒ کے لئے کس قدر برافروختگی کا موجب ہوئی ہے۔ وہاں جا کر قائداعظمؒ نے وائسرائے سے ملاقات کا مقصد پوچھا۔ اس نے کہا کہ آپ کو میرے بیان سے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے۔ قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں کیا کہا؟ آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور وائسرائے سے یہ کہتے ہوئے کہ مجھے آپ کی وضاحت کی

کوئی ضرورت نہیں' کمرے سے باہر نکل آئے۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ممتاز ہندو لیڈر مسٹر دوارکا داس کانجی نے لکھا تھا:

> یہ دیکھ کر دل میں مسرت کی ایک لہر اٹھتی ہے کہ ہندوستان میں مسٹر جناح کی قامت اور دیانت کا کم از کم ایک لیڈر تو ایسا تھا جس میں اس قدر صداقت اور بیبا کی تھی کہ اس نے انگریز وائسرائے کے منہ پر کہہ دیا کہ وہ اسے کیا سمجھتا ہے جب کہ باقی ہندوستانی لیڈر' جن میں کانگریس ہائی کمان بھی شامل ہے' اس وائسرائے کو بہترین انگلش جنٹلمین اور بہترین عیسائی جنٹلمین جیسے خطابات سے نواز کر اس کی چاپلوسی کرتے تھے۔

یہ اس لئے کہ ایک اصول پرست انسان کے دل میں مصلحت آمیزی کا خیال تک نہیں آ سکتا جو وہ منافقت کا انداز اختیار کرے۔ مروجہ الفاظ میں یوں کہئے کہ قائداعظمؒ کے لغت میں ''نظریہ ضرورت'' جیسے الفاظ ملتے ہی نہیں۔ اقبالؒ نے کس قدر سچ کہا ہے کہ:

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

قائداعظمؒ کا اپنے مشن کے ساتھ عشق' نہایت پختہ تھا اس لئے اس میں مصلحت کوشی کا شائبہ تک بھی بار نہیں پا سکتا تھا۔ لندن ٹائمز نے ان کی وفات پر ان کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا تھا:

> انہوں نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ پیش کر کے اپنے اس دعویٰ

کو ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان میں وہ ذہنی لچک نہیں تھی جو انگریز کے نزدیک ہندوستانیوں کا خاصہ ہے۔ ان کے تمام خیالات ہیرے کی طرح قیمتی مگر سخت اور واضح ہوتے تھے۔ ان کے دلائل میں ہندو لیڈروں جیسی حیلہ سازی نہیں تھی۔ وہ جس نقطۂ نظر کو ہدف بناتے تھے اس پر براہ راست نشانہ باندھ کر وار کرتے تھے۔ وہ ایک نا قابلِ تسخیر حریف تھے۔

عصرِ حاضر کی میکیاولی سیاست میں حصولِ مقصد کے لئے جو حربہ بھی استعمال کیا جائے جائز قرار پاتا ہے۔ لیکن قائداعظمؒ کے نزدیک سیاست میں اس قسم کی روش کس قدر قابل مذمت تھی اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیے جسے مرزا اصفہانی نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

1946ء کا ذکر ہے کلکتہ کے مسلم چیمبر آف کامرس کی ایک نشست خالی ہوئی۔ اس کے لئے مسٹر اصفہانی بطور مسلم لیگی امیدوار کھڑے ہوئے۔ انتخاب بلا مقابلہ ہو رہا تھا کہ تاریخ نامزدگی سے دو دن پہلے، بالکل خلافِ توقع، ایک اور صاحب نے اپنے کاغذاتِ نامزدگی داخل کر دیئے۔ اس زمانے میں انتخاب کے معنی محض ایک آدھ نشست حاصل کر لینا نہیں تھا۔ اس سے مسلم لیگ کے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہونے کے دعویٰ کا ثبوت بہم پہنچتا تھا۔ اس لحاظ سے فریقِ مقابل کا یوں سامنے آ جانا وجۂ پریشانی ہو گیا۔ ایک شام (مرحوم) عبدالرحمٰن صدیقی بھاگے بھاگے آئے اور اصفہانی صاحب

کو یہ مژدہ سنایا کہ انہوں نے فریقِ مخالف کو اس پر رضامند کر لیا ہے کہ اگر ہم اس کے زرِ ضمانت کا مبلغ اڑھائی سو روپیہ ادا کر دیں تو وہ مقابلہ سے دستبردار ہو جائے گا۔ ہم اس سے بہت خوش ہوئے۔ قائداعظمؒ ہم سے ذرا فاصلے پر بیٹھے تھے۔ ان کے کان میں بھنک سی پڑی تو انہوں نے صدیقی صاحب سے کہا کہ ذرا اپنی بات کو دہرائیں انہوں نے بات سنائی تو قائداعظمؒ نے سخت برافروختہ ہو کر کہا کہ:

> تم نے کیا کہا ہے؟ پیسے دے کر فریقِ مخالف کو بٹھا دینا! یہ بالواسطہ رشوت نہیں تو اور کیا ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ جاؤ! اور اس سے کہو کہ ہمیں یہ منظور نہیں۔ ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے جو اصول بیان فرمایا وہ سننے کے قابل ہے۔ انہوں نے مسٹر اصفہانی سے کہا:

> میرے عزیز! یاد رکھو۔ پبلک لائف میں اخلاقی دیانت' پرائیویٹ لائف سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے۔ (پرائیویٹ لائف میں بددیانتی سے کسی ایک شخص کو نقصان پہنچتا ہے لیکن) پبلک لائف میں بددیانتی سے لاتعداد انسان مجروح ہوتے ہیں اور اس سے ہزارہا ایسے لوگ بے راہ رو ہو جاتے ہیں جن کا آپ پر اعتماد ہوتا ہے۔

زمینداری اور سرمایہ داری

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ سرمایہ داروں۔ جاگیرداروں۔ وڈیروں کی جماعت تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں کے اکثر لوگ مسلم لیگ کے ساتھ تھے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا قائداعظمؒ نے ان لوگوں کو ساتھ رکھنے کے لئے اپنے اصولوں میں کوئی لچک پیدا کر لی تھی یا ان سے کچھ جھوٹے دعوے کر رکھے تھے۔ قطعاً نہیں۔ انہوں نے انہیں وارن کر دیا تھا کہ پاکستان میں نظامِ سرمایہ داری قطعاً بار نہیں پا سکے گا۔ انہوں نے 1943ء میں آل انڈیا مسلم لیگ (دہلی) کے سیشن میں اعلان کیا تھا کہ:

> اس مقام پر میں زمینداروں اور سرمایہ داروں کو بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ایک ایسے فتنہ انگیز' ابلیسی نظام کی رُو سے' جو انسان کو ایسا بدمست کر دیتا ہے کہ وہ کسی معقول بات کے سننے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتا' عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ عوام کی محنت کو غصب کر لینے کا جذبہ ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔ میں اکثر دیہات میں گیا ہوں۔ وہاں میں نے دیکھا ہے کہ لاکھوں' خدا کے بندے ہیں جنہیں ایک وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی۔ کیا اسی کا نام تہذیب ہے؟ کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے! اگر پاکستان سے یہی مقصود ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا' اگر ان سرمایہ داروں کے دماغ میں ہوش کی ذرا سی بھی رمق باقی ہے تو انہیں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ چلنا ہو گا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کا خدا حافظ۔ ہم ان کی کوئی مدد نہیں

کر سکتے۔

دوسری طرف انہوں نے قوم کو اس سے بھی متنبہ کر دیا کہ جس طرح نظام سرمایہ داری خلافِ اسلام ہے اسی طرح کمیونزم کا نظام بھی قرآن کے خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے 9 مارچ 1944ء کو مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> اب کچھ دنوں سے ایک پارٹی بہت متحرک ہو گئی ہے۔ وہ ہے کمیونسٹ۔ ان کا پراپیگنڈہ بڑا پُرفریب ہے اور مَیں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ ان کے جال میں نہ پھنس جانا۔ ان کا پراپیگنڈہ دام ہمرنگِ زمیں ہے۔ ایک خطرناک پھندا ہے۔ وہ سوشلزم، کمیونزم، نیشنل سوشلزم وغیرہ کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ یاد رکھو! ہمارے ہاں ان ''ازمز'' یا اس قسم کی کسی اور ازم کے لئے کوئی جگہ نہیں۔

(تقاریر جناحؒ، جلد دوم، ص 73)

پھر انہوں نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کانفرنس منعقدہ 19 مارچ 1944ء کے آخری اجلاس میں فرمایا:

> یہ کمیونسٹ سمجھتے ہیں کہ ہم بے وقوف ہیں۔ ان کے اس قسم کے مغالطہ میں رہنے کے لئے کچھ وجہ، جواز ضرور ہے لیکن (یہ قصۂ ماضی ہے) گذشتہ پانچ دس سال میں مسلمانوں میں ایسی تبدیلی آ چکی ہے کہ کمیونسٹ انہیں بے وقوف بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ اس لئے مَیں انہیں متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہم سے دستبردار ہو جائیں۔ اگر انہوں نے پھر سے وہی کھیل کھیلنا چاہا تو انہیں ایسا منہ توڑ جواب

دیا جائے گا (جسے وہ یاد رکھیں گے)۔ ہم مسلم لیگ کے ہلال اور ستارہ کے پرچم کے سوا کوئی پرچم نہیں چاہتے۔ اسلام ہمارا رہنما بھی ہے اور مکمل ضابطۂ حیات بھی۔ ہم کوئی زرد یا سُرخ جھنڈا نہیں چاہتے۔ ہم کوئی ازم بھی نہیں چاہتے۔

(بحوالہ 'نوائے وقت' مورخہ 23 اپریل 1976ء)

قائداعظمؒ کے ذوقِ یقین، حسن تدبر، دیانتدارانہ سیاست اور عزمِ راسخ کی بدولت وہ خطہ زمین حاصل ہو گیا جس میں قرآنی نظام مملکت قائم کیا جانا مقصود تھا۔ اس سے ان مذہبی جماعتوں نے جنہوں نے اس کی آخر تک مخالفت کی تھی ہمت نہ ہاری۔ وہ ہجوم کر کے ادھر آ گئیں۔ انہوں نے یہاں آ کر یہ اسکیم مرتب کی کہ یہ خطۂ زمین تو حاصل ہو گیا ہے لیکن اس میں وہ نظام قائم نہ ہونے پائے جس کے لئے اسے حاصل کیا گیا ہے' قائداعظمؒ نے حصولِ پاکستان کے بعد اعلان کیا تھا کہ کچھ بھی ہو:

یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہوگی۔ جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعمِ خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔

(تقاریر بہ حیثیت گورنر جنرل' ص 65)

قائداعظمؒ ان مخالف قوتوں کو یہ چیلنج دے کر دُنیا سے تشریف لے گئے اور انہوں نے میدان خالی پا کر اپنی اسکیم کو آگے بڑھانا شروع کر دیا۔

یہ حضرات اپنی اسکیم کو اُس دریا کی پرسکوت روانیوں کی طرح آگے بڑھاتے رہے جو سطح پر تو بالکل بے خطر نظر آئے لیکن جس کی تہ میں بڑے بڑے مہیب اژدر اور خوف ناک نہنگ چھپے بیٹھے

ہوں۔ انہوں نے 1951ء میں' مختلف فرقوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک کانفرنس میں یہ ریزولیوشن پاس کیا کہ پاکستان کا ضابطہ قوانین ''کتاب وسنت'' کے مطابق مرتب کیا جائے۔ انہوں نے یہ ریزولیوشن یہ جانتے ہوئے پاس کیا کہ ایسا کیا جانا ناممکن ہے۔ بیس برس تک اس ناممکن العمل مطالبہ کا شور مچانے کے بعد اگست 1970ء میں خود مودودی (مرحوم) نے یہ اعلان کر دیا کہ کتاب وسنت کے مطابق پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ قوانین مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ پھر پاکستان میں قانون سازی کی صورت کیا ہو؟ فرمایا کہ یہاں فقہ حنفی نافذ کر دی جائے۔۔۔ وہ فقہ جس کے متعلق ان کا اپنا ارشاد تھا کہ اس نے اسلام کو ''منجمد شاستر'' بنا کر رکھ دیا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ''منجمد شاستر'' زمانے کے..... بدلنے والے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس لئے اس فقہ کے قوانین پر عمل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ وہ یہ کہہ کر چلے گئے اور ملک کی کشتی کو ایسے گرداب میں پھنسا گئے جس سے نکلنا اس کے بس میں نظر نہیں آتا۔

جس اسلام کو نافذ کرنے کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا اس کے سامنے تو دنیا کی کوئی ازم بھی ٹھہر نہیں سکتی تھی لیکن جو اسلام تھیا کریسی یہاں نافذ کر رہی ہے' اس سے ہماری نوجوان نسل دل برداشتہ ہی نہیں' برگشتہ ہو رہی ہے۔ یہ جو آئے دن پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ ہماری نئی نسل اسلام کے بہت قریب آ رہی ہے' یہ ابلہ فریبی نہیں تو خوش فہمی ضرور ہے۔ یہ نسل اسلام سے (یعنی اس اسلام سے جسے تھیا کریسی یہاں رائج کر رہی ہے) متنفر ہی نہیں' سرکش ہو رہی ہے۔ مذہب سے نفرت اور سرکشی' کمیونزم کے لئے راستہ ہموار کر دیتی ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ مروجہ اسلام سے برگشتہ ہو کر کمیونزم کے آغوش میں نہ چلا جائے۔ مذہب گزیدہ نوجوانوں کے لئے یہ پناہ بڑی پُرکشش خوش آئند ہوتی ہے۔ یہ ہے وہ اندیشہ جو ہماری روح میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ تھیا کریسی کا آخری ردِعمل لادینی ہوتا ہے۔ خود ہماری تاریخ میں، دورِ ملوکیت کی تھیا کریسی نے ہلاکو خان کو آواز دی تھی۔ ڈر ہے کہ دَورِ حاضر کی ہماری تھیا کریسی روسی آہن کے لئے مقناطیس ثابت نہ ہو جائے۔ حکیم الامت کی نگہ دُوررس نے شاید اسی خطرہ کو بھانپ کر کہا تھا کہ ؎

از خاکِ سمر قندے تَرسم کہ دِگر خیزد
آشوبِ ہلاکوئے ہنگامۂ چنگیزے

(پیامِ مشرق، ص 192)

خدا کرے کہ ہماری یہ کشتِ آرزو جو اس مردِ درویش کے پاکیزہ آنسوؤں اور اس صاحب عزمِ عظیم کی مجاہدانہ گرم جوشیوں سے پروان چڑھی تھی، اس بادِ سموم کی شعلہ باریوں سے محفوظ رہے لیکن قرائن بتا رہے ہیں کہ ہماری یہ دعائیں، تھیا کریسی کی آوردہ اور پروردہ بلاؤں کی حریف شاید ہی ہو سکیں! جب جھکڑ چلتا اور سیلاب امنڈتا ہے تو وہ دیر و حرم میں تمیز نہیں کیا کرتا۔ اسی لئے قرآن نے کہا تھا۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (8:25)

اُس فتنہ سے محتاط رہو جو (جب اٹھتا ہے تو) انہی تک محدود نہیں رہتا جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کر رکھی تھی۔ (وہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتا ہے)۔ یاد رکھو! خدا کے قانونِ مکافات کا مواخذہ بڑا سخت ہوتا ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف

(ضربِ کلیم، ص 85)

ملوکیت۔ سرمایہ داری۔ تھیا کریسی۔ ملت کے وہ گناہ ہیں۔ جو کبھی معاف نہیں ہو سکتے۔ یہ گناہ قوموں کو لے ڈوبتے ہیں اور جب قوم ڈوب جائے تو افراد کیسے بچ سکتے ہیں؟

☆.....☆.....☆

تعارف: غلام احمد پرویز

بٹالہ/لاہور

(بشکریہ تحریک پاکستان گولڈ میڈل 1989ء

مطبوعہ شعبہ تحریک پاکستان، محکمہ اطلاعات وثقافت، حکومت پنجاب)

علامہ غلام احمد پرویز مرحوم کی تاریخ پیدائش 9/جولائی 1903ء ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران مرکزی حکومت ہند کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھے۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی وہ مرکزی حکومت پاکستان میں منتقل ہو گئے اور 1955ء میں اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

شیدائی ء اقبالؒ ہونے کے ناطے، آپ 1930ء سے مسلمانوں کی جداگانہ آزاد مملکت کے اس تصور کو آگے بڑھاتے رہے جسے حضرت علامہ اقبالؒ نے الہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اپنے صدارتی خطبہ میں پیش کیا تھا۔

1937ء کے موسم گرما میں، علامہ اقبالؒ کے ایماء پر حضرت قائداعظمؒ نے اپنے قیامِ شملہ کے دوران علامہ پرویز کو بلا کر فرمایا کہ یہ مولوی صاحبان تحریک پاکستان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اس کی مدافعت کے محاذ کو میں تمھارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت قائداعظمؒ کی ہدایت پر وہ تمام ضروری اقدامات کئے گئے جن کے نتیجہ کے طور پر ماہنامہ ''طلوع اسلام'' کے دور جدید کا اجراء، مئی 1938ء کے شمارے کے ساتھ عمل میں آیا۔ اس ماہنامہ میں پرویز صاحب نے قرآن کریم کے عطا فرمودہ ''دوقومی نظریہ'' اسلامی مملکت کی ضرورت اور اس کے بنیادی تقاضوں پر گرانقدر مقالات لکھے۔ اس دوران کانگرسی اور نیشنلسٹ علماء کی طرف سے مسلمانوں کی جداگانہ آزاد مملکت کے خلاف جو کچھ لکھا جاتا رہا، اس کا آپ نے موثر دفاع کیا۔

علامہ موصوف اس وقت سرکاری ملازمت میں تھے، اس لئے مسلم لیگ کے سٹیج سے بات کرنا تو ان کے لئے دشوار تھا تاہم دہلی اور اس کے گردونواح کے ایسے تمام شہروں میں جہاں شام کو جا کر اگلے روز علی الصبح واپس آیا جا سکے، مسلم لیگ کے شبانہ جلسوں کے فوراً بعد اسی سٹیج سے

بزمِ اقبال کی محفل آراستہ کی جاتی جس میں پرویز صاحب قرآن کریم اور فکر اقبالؒ کی روشنی میں تحریک پاکستان اور مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے تصور کو واضح طور پر قوم کے سامنے پیش کرتے۔

یہ عملی جدوجہد قیام پاکستان تک جاری رہی۔ حتیٰ کہ جب 1946ء میں سرخ پوشوں اور کانگرس کی ملی بھگت سے مسلم اکثریت کے صوبہ سرحد میں' پاکستان میں شمولیت/عدم شمولیت کے سوال پر ریفرنڈم کرانا طے پایا گیا تو پرویز صاحب صوبہ سرحد میں تشریف لے گئے اور اس وقت کے سرحد مسلم لیگ کے صوبائی صدر خان بخت جمال خان اور ان کے رفقاء کی معاونت سے صوبہ کی کانگرسی وزارت اور سرخپوش لیڈر خان عبدالغفار خان کو ہمہ جہت مخالفتوں کے علی الرغم سرحد کے مسلم عوام کا فیصلہ کن ووٹ پاکستان کے حق میں ڈلوانے میں کامیاب ہوئے۔

علامہ پرویز 38-1937ء سے حضرت قائداعظم علیہ الرحمتہ کے' تحریک پاکستان کی دینی اساس کے موضوع پر ذاتی مشیر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ یہی وہ واحد شخصیت تھی جنہیں حضرت قائداعظمؒ سے پیشگی وقت لئے بغیر ان کی خدمت میں' کسی وقت بھی باریابی کا شرف حاصل رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ قائداعظمؒ نے قرآنی ہدایات سامنے آجانے کے بعد ہمیشہ انہی کے مطابق عمل کیا۔ پرویز صاحب ان معدودے چند دانشوروں میں شامل ہیں جنہوں نے بقول پیر علی محمد راشدی' پاکستان کی سکیم کی تیاری میں مدد کی تھی۔

حضرت قائداعظمؒ' علامہ پرویز پر غایت اعتماد رکھتے تھے اور ان کی رائے کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ جب اس کا وقت آیا تو ان سے پاکستان کے سیکرٹریٹ کے لئے مناسب افسروں کے انتخاب کے لئے سفارش طلب کی۔

قیام پاکستان کے بعد اپنی وفات تک جب کسی دریدہ دہن نے بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ یا ان کے رفقاء کے خلاف ہرزہ سرائی کی ناپاک کوشش کی تو یہی مرد مجاہد آڑے آیا اور ہر موقع پر ایسے مدلل مقالات سپرد قلم کئے جن سے تحریک پاکستان کے ان زعماء کی عظمت کردار نکھر اور ابھر کر قوم کے سامنے آتی رہی۔

علامہ غلام احمد پرویز نے 24 فروری 1985ء کو وفات پائی۔

☆.....☆.....☆

خُدا نے قرآنؐ نازل کیا تو ـــــ

اس ذاتِ گرامیؐ کی حیاتِ طیبہ کے اہم گوشوں کو بھی اپنے دامن میں محفوظ کر لیا جس پر قرآن نازل کیا گیا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ

حضورؐ کی سچی اور قابلِ اعتماد سیرت

(جسے نوعِ انسانی کے لیے بہترین نمونہ بننا ہے) وہی ہو سکتی ہے جس کی بنیاد اِن گوشوں پر ہو

مفکرِ قرآن نے اپنی عمر بھر کی کاوش کے بعد اس سیرتِ طیبہ کو اپنی مایۂ ناز کتاب

مِعراجِ انسانیّت

میں مرتّب کیا ہے

جس سے اُس ذاتِ اقدسؐ کی عظمت اُبھر کر دُنیا کے سامنے آجاتی ہے

[اِس] کتاب کا پہلا ایڈیشن مدت ہوئی ختم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مصنف کی نظرِ ثانی نے اسے جدید پیکر میں پیش کیا ہے

اِس نئے ایڈیشن کی ضخامت تقریباً پانچسو صفحات ہے!

بڑا سائز، کاغذ نہایت اعلیٰ، جلد مضبوط، گرد پوش جاذبِ نگاہ

قیمت:

مرثیہ کیوں؟

آپ گھر میں ہوں یا دفتر میں، بازار میں ہوں یا دکان پر، ریل میں ہوں یا بس میں، تانگے میں ہوں یا ٹرام میں، بارات میں ہوں یا جنازے کے ساتھ — جہاں کہیں دو مسلمان جمع ہوں وہ مسلمانوں کی عام حالت کے مرثیہ خواں نظر آئیں گے۔ پہلے تو صرف اتنا ہی کہا جاتا تھا کہ قوم میں سخت افلاس ہے۔ لوگوں کے پاس کھانے کو روٹی، پہننے کو کپڑا اور رہنے کو مکان نہیں۔ بیمار پڑ جائیں تو دوائی نہیں اور مر جائیں تو کفن دفن تک کے لیے پیسے نہیں۔ اب اس کے ساتھ اس کا بھی اضافہ ہوتا ہے کہ لوگ بد دیانت ہیں، بے ایمان ہیں، چور ہیں، جھوٹے ہیں۔ بلیک مارکیٹ، رشوت، نفع خوری، اعتوپڑی اور اقربا نوازی عام ہے — افراد سے آگے قوموں تک جائیے تو مسلمانوں کا ہر ملک تباہ حال ہے۔ عوام میں جہالت اور غربت ہے، خواص خائن اور غدار ہیں۔ یہ مرثیہ تو عام ہے لیکن کوئی یہ نہیں بتاتا کہ

اس کی آخر وجہ کیا ہے

مسلمان کیوں ہر جگہ پستی اور ذلت میں ہیں؟

اگر آپ کو اس سوال سے دلچسپی ہے تو آپ وہ کتاب ضرور دیکھئے جس کا نام ہے

اسبابِ زوالِ امت

اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں

قیمت: (تازہ ایڈیشن):

محترم پرویز صاحبؒ کا نہایت حقیقت کُشا مقالہ

حُسنِ کردار کا نقشِ تابندہ

بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی عظمتِ کردار اور رعنائی سیرت کی

چند جھلکیاں

جن کے بل بوتے پر اُنہوں نے بے تیغ و سناں چومکھی لڑائی لڑ کر ایک عظیم مملکت حاصل کر لی

اِس کے ساتھ پرویز صاحبؒ کے دو مقالات ——————

◁ کیا قائدِ اعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟

اور

◁ دو قومی نظریہ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ کی نگاہوں میں۔

جن کی اہمیت عنوانات سے عیاں ہے۔

تینوں مقالات کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ بڑی پُراز معلومات کتاب ہے۔ بڑا سائز۔ قیمت

علامہ اقبالؒ کا احسان

یہ ہے کہ اُنہوں نے صدیوں کے بعد، اسلام کا صحیح تصور ملت کے سامنے پیش کیا ـــ اور

پرویز صاحبؒ کا احسان

یہ ہے کہ اُنہوں نے اقبالؒ کے فکر اور پیغام کو، اس کے حقیقی سرچشمہ،

قرآن مجید کی روشنی میں،

قوم کو سمجھایا۔ ان کے چالیس سال پر پھیلے ہوئے خطابات، تقاریر اور مقالات، اسی فریضہ کی ادائیگی کے مظہر ہیں۔ جنہیں اب ـــــــ

اِقبالؒ اور قرآن

کے حسین پیکر میں، بڑی آب و تاب سے شائع کیا گیا ہے ـــ

اقبالؒ کی فکر ـــ قرآن کی روشنی ـــ پرویز صاحبؒ کی زبان

آپ خود سمجھ لیجئے کہ اس امتزاج کی کیفیت کیا ہوگی!

قیمت:

قرآنی پمفلٹس

صحیح قرآنی فکر کو عام لوگوں تک پہنچانے میں قرآنی فکر پر لکھے گئے چھوٹے پمفلٹس نے بھی بہت ہی اہم اور کامیاب کردار ادا کیا ہے۔ احباب اِن پمفلٹس کا خود بھی مطالعہ کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو تقسیم بھی کرتے ہیں اس لئے اِن کی قیمت اصل لاگت سے بہت ہی کم رکھی جاتی ہے۔ جبکہ کچھ صاحب ثروت احباب اِس کمی کو اپنے عطیات سے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں چونکہ یہ سلسلہ ابھی بھی محدود پیمانے پر جاری ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ اِس سلسلہ کو مزید بہتر کیا جائے لہٰذا صاحب ثروت حضرات سے مزید عطیات کی درخواست کی جاتی ہے کہ وہ قرآنی فکر کے کام میں مزید وسعت پیدا کرنے میں ہماری مدد کریں اور اپنے عطیات ''پمفلٹس فنڈ'' کے لئے بھجوائیں تاکہ پمفلٹس کی طباعت اور دوسروں تک قرآنی فکر کو پہنچانے میں ہم کامیابی حاصل کرسکیں۔

یہ یاد رہے کہ ادارہ طلوع اسلام کی مطبوعات کی کل آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف ہوتی ہے

رقم بذریعہ منی آرڈر۔ بینک ڈرافٹ بنام ادارہ طلوع اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور ارسال فرمائیں۔
بینک اکاؤنٹ نمبر 7-3082 برانچ کوڈ 0465 نیشنل بنک آف پاکستان۔ مین مارکیٹ گلبرگ، لاہور۔

(دستیاب پمفلٹس کی لسٹ اندرونی ٹائٹل کے پہلے اور آخری صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)۔